سماجی تبدیلی اور دین حنیفیت کا تاریخی جائزہ

A Historical Evaluation of Social Change and Din-e-Hanifiiat

مقالہ نگار: **امین اللہ خان**

پی ایچ۔ڈی ریسرچ سکالر۔ شعبہ علوم اسلامیہ و عربی، گومل یونیورسٹی، ڈیرہ اسماعیل خان

Email: aminbnu155@gmail.com

معاون مقالہ نگار: **ڈاکٹر محمد اظہار الحق**

پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ عربی، گومل یونیورسٹی، ڈیرہ اسماعیل خان

Abstract

The positive and over all change in the social, economic, political and ideological system of human societies is termed as social change. Before it, this term was called revolution. The synonym of this social change and revolution it is called Jihād in religious terminology. Its aim was to get rid of the crual and inhuman social system. Basic idealogy, party, action of plan and healthy social enviroment are the basic elements of this change. Ḥazrat Ibrahim (A.S) was the pioneer of this type of change in Islamic history, His thought of school has been termed as Dīne Ḥanifī in Islamic civilivazation. He made two basic centers for this sruggle of change. One was in Pelastine/ Bitul-Moqaddas and the other was in Ḥijaze Moqaddas/ Makka-tul-Mokkarram. Ḥazrat Musa (A.S), Ḥazrat Yousif (A.S.) and many other prophets struggled for this social change from the first center/Palastine after Ḥazrat Ibrahim (A.S). They brought complete positive changes in their sociaties.This struggle was culminated in the last prophethood and message of Ḥazrat Muhammsad (SAW) from the second center/ Makka. He succeed in bringing positive change both at individual and collective level in the arabian society at national level. Afterwards He and His followers expanded its scope to the non-arabian socities and brought a positive change at international level. This struggle created a sence among suppressed, down trodden and alienated section of soceities for bringing positive changes in their nations throughout the world. This elemental and basic human desire/urge resulted in the modren worldwide revolutions in the humans societies.

Keywords: Social Change, Hanifiat, Religion.

سماجی تبدیلی کا مفہوم

سماجی تبدیلی سے متعلق پروفیسر عبدالرشید لکھتے ہیں:

"کسی معاشرے میں تبدیلی سے مراد سماج کی ساری نظم و ترتیب بدل جانا ہے۔ جس کسی سماج میں اندرونی جدت یا بیرونی خطرے یا کسی اور دباؤ کی وجہ سے نظام کا توازن تباہ ہو رہا ہو اور معاشرہ باقی رہنا چاہتا ہو، تو اس کے ڈھانچے میں تبدیلی کا آنا ضروری ہوتا ہے۔"[1]

یعنی سماجی تبدیلی کا مقصد انسانی معاشرے کے بنیادی فکر، سیاسی اور معاشی نظام، ثقافتی اور تہذیبی اقدار، تعلیم اور قوم کے رویوں میں ایک ایسی مثبت تبدیلی کو کہتے ہیں جس کے نتیجے میں ہر انسان اس معاشرے میں آزادی اور خوشحالی کے ساتھ رہ کر فطری ترقی کر سکے۔

سماجی تبدیلی اور انقلاب

معاشرے میں مثبت تبدیلی کے لئے ''سماجی تبدیلی'' کی اصطلاح کا استعمال انیسویں صدی کے اواخر سے ہو رہا ہے، اس سے پہلے سماجی تبدیلی کے لئے جدوجہد کو ''انقلاب'' کا نام دیا جاتا تھا۔[2]

اس طرح سماجی تبدیلی اور انقلاب ایک ہی مقصد کی دو مختلف تعبیرات ہیں۔ انقلاب عربی زبان کا لفظ ہے، جس کے بارے میں معجم الوسیط میں لکھا ہے:

الانقلاب تحول الشيء عن وجهه وتغيير مفاجئ في نظام الحكم يقوم به في العادة بعض رجال الجيش[3]

''(لغت میں) انقلاب کا معنی کسی چیز کو الٹا کرنے اور (اصطلاح میں) نظام حکومت میں اچانک تبدیلی کو کہتے ہیں، عام طور پر اس قسم کی تبدیلی فوج کے کچھ افراد لاتے ہیں''۔

سماجی تبدیلی اور جہاد کا مفہوم

مندرجہ بالا بحث سے یہ بات واضح ہوئی کہ سماجی تبدیلی اور انقلاب کی اصطلاحات ایک ہی مفہوم رکھتے ہیں، تاہم یہ دونوں معاصر زبان کی اصطلاحات ہیں جبکہ دینی زبان میں اس مقصد کے لئے قریب تر اصطلاح ''جہاد'' اور ''امر بالمعروف و نہی عن المنکر'' استعمال ہوئی ہے۔ اس لئے قرآن حکیم میں جہاد کا عنوان حقیقت میں انقلاب اور سماجی تبدیلی کا متبادل ہے، جس کا مقصد انسان کے مادی اور روحانی زندگی میں مثبت تبدیلی کے لئے بھرپور جدوجہد کرنا ہے۔ اس لئے جہاد کو صرف جنگی حکمت عملی پر محمول کرنا درست نہیں، کیونکہ اسلام سے پہلے عربی ادب میں جنگی حکمت عملی کے لئے جہاد کے بجائے ''حرب'' کی اصطلاح استعمال ہوتی تھی۔ جیسا کہ حرب فجار وغیرہ۔[4]

جہاد کے اس جامع مقاصد کے بارے میں امام شاہ ولی اللہؒ الخیر الکثیر میں لکھتے ہیں کہ:

''ایک مقدس عداوت جو ذاتی اعراض اور نفسانی خواہشات سے بالکل پاک صرف عمومی مفاد اور انسانیت کے اعلیٰ مقاصد اور بلند تر مصالح کے لئے ہو، جہاد کہلاتا ہے۔''[5]

اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے عبید اللہ سندھیؒ لکھتے ہیں کہ:

''مجھ پر اپنے بزرگوں کے فیض سے ہی یہ حقیقت روشن ہوئی کہ قرآن کا مقصد عالمگیر انقلاب برپا کرنا تھا اور آج بھی قرآن ماننے والوں کا فرض ہے کہ وہ اپنا نصب العین عالمگیر انقلاب کو بنائیں۔ لیکن نہ جہاد صرف تیغ آزمائی کا نام ہے، اور نہ انقلاب محض تخریب

کا دوسرا نام ہے، حدیث اور قرآن میں جہاد بڑے وسیع معنوں میں استعمال ہوا ہے''۔[6]

اس طرح سعید احمد پالن پوری حجۃ اللہ البالغہ کی شرح میں جہاد کو انقلاب کا نام دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :

''تمام سماوی شریعتوں میں جہاد کا حکم رہا ہے، کیونکہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ انقلاب رونما کرتے ہیں۔ بعثت نبوی ﷺ کے وقت عرب اور عجم کی حالت پر اللہ تعالیٰ ناراض تھے کیونکہ سارا جہان گمراہی کے دلدل میں پھنسا ہوا تھا اس لئے فیصلہ خداوندی ہوا کہ عرب و عجم سبھی کی حکومت ختم کر دی جائے، چنانچہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کے دلوں میں یہ بات ڈالی کہ وہ اٹھیں اور خدا کی راہ میں لڑیں تاکہ مراد خداوندی بر آئے''۔[7]

چونکہ جدید دور میں رعایا کا نظام حکومت کے خلاف بنیادی حقوق کے لئے جدوجہد کو انقلاب یا سماجی تبدیلی کا نام دیا جاتا ہے، اس لئے جہاد کے اصطلاح کی تعبیر انقلاب اور سماجی تبدیلی سے کرنا ہی زیادہ عام فہم اور مناسب معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اصطلاحات کی بنیاد پر جھگڑا نہیں کیا جاتا۔ علامہ زرکشیؒ لکھتے ہیں کہ :

ومن المعلوم أن الاصطلاحات لا مناقشة فيها[8]

''اور یہ بات خوب معلوم ہے کہ اصطلاحات یعنی تعبیرات میں بحث و مباحثہ یا جھگڑا نہیں ہوتا''۔

سماجی تبدیلی کی حقیقت، ضرورت و اہمیت

سماجی تبدیلی مخصوص حالات اور ماحول کا تقاضا کرتی ہے، وہ یہ کہ اگر سماج کے ہمہ جہتی نظام میں قانونی، سیاسی اور معاشی ادارے ظلم، بدامنی اور استحصالی کردار ادا کرتے ہیں تو اس سماج میں کامل تبدیلی اور انقلابی جدوجہد کی ضرورت ہوتی ہے، کیونکہ جب تک اجتماعی نظام میں تبدیلی نہ ہو جزوی اصلاح کی جدوجہد کامل نتائج نہیں دے سکتی۔ اس کے برعکس اگر یہ ادارے عدل، امن اور معاشی خوشحالی کا کردار ادا کرتے ہیں، تو سماج کامل تبدیلی کی بجائے جزوی تبدیلی کا تقاضا کرتی ہے ،تاکہ قوم میں خدا پرستی، انسان دوستی، حب الوطنی جیسے اعلیٰ اخلاق اور مثبت رویئے پھیل کر موجود سماجی نظام کو استحکام مل سکے۔ اس لئے سماجی تبدیلی کی حقیقت معاشرے کے ہمہ جہتی نظام فکر و فلسفہ، معاشی نظام اور سیاسی نظام میں بنیادی تبدیلی کے لئے جدوجہد کرنا ہے۔ انفرادی یا معمولی قسم کی اصلاحات یا کسی خاص حکمران یا برسر اقتدار پارٹی کے خلاف تحریک چلانے کو سماجی تبدیلی کا نام دینا علمی طور پر مناسب نہیں۔ چنانچہ جنگ قادسیہ کے دوران رستم زمان نے جب اصحاب رسول ﷺ سے پوچھا کہ تمہارا بنیادی مشن کیا ہے؟ تو وفد کے سربراہ ربعی بن عامر نے فرمایا کہ :

الله ابتعثنا لنخرج من شاء من عبادة العباد الى عبادة الله ومن ضيق الدنيا الى سعتها ومن جور الاديان الى عدل الاسلام[9]

''اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس لئے بھیجا ہے کہ جو چاہے ان کو بندوں کی غلامی سے نجات دلا کر ایک رب کی بندگی میں، دنیا کی تنگی سے

خوشی کے ماحول میں، اور ادیان (نظامہائے زندگی) کے مظالم سے اسلام کے نظام عدل میں نکال لائیں"۔

اس لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاءؑ کی بعثت کا بنیادی مقصد نظامِ عبادات کی درستگی کے ساتھ ساتھ طاغوتی نظاموں سے نجات دلانا بھی قرار دیا ہے، ارشاد ہے کہ: وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ [النحل:36]

"اور ہم نے ہر امت میں رسول کو اس لئے بھیجا کہ وہ اللہ کی عبادت کرنے اور طاغوت سے بچنے کا حکم دے"۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح کیا کہ طاغوتی قوتیں انسانیت کی مادی اور روحانی دونوں قوتوں کو مفلوج کر دیتی ہیں۔اس لئے انبیاءؑ انسانی معاشروں کو ان سے نجات دلانے کے لئے بھیجے گئے۔امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ حجۃ اللہ البالغہ میں انبیاءﷺ کی بعثت کے بارے میں لکھتے ہیں:

وَذَلِكَ إِمَّا بِأَن يكون الْوَقْت وَقت ابْتِدَاء ظُهُور دولة، وكبت الدول بهَا، فيبعث الله تَعَالَى من يُقيم دين أَصْحَاب تِلْكَ الدولة۔ [10]

"اور یہ کہ (انبیاءؑ کی بعثت کا وقت) دراصل کسی نئی سلطنت کے ظاہر ہونے اور اس کے ذریعے سے دوسری (ظالم) سلطنتوں کو مٹانے کا ہوتا ہے۔چنانچہ اللہ تعالیٰ ایسے آدمی کو مبعوث فرماتا ہے جو اس ظاہر ہونے والی سلطنت کے حامیوں اور اصحاب کے دین (نظام زندگی) کو درست کر دے"۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جنگ کی اجازت کی علت بھی یہ بیان فرمائی کہ وہ سماج میں مظلوم ہیں، اور اس ظلم سے نجات حاصل کرنے کے لئے ان کو جہاد کی انتہائی حکمت عملی قتال کی اجازت دی جارہی ہے، ارشاد ہے کہ:

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَى نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ [الحج: 39]

"اجازت دی جارہی ہے (جنگ کی) ان لوگوں کو جن سے جنگ کی جارہی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ ان کی ہر قسم کی مدد پر قادر ہے"۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سماجی تبدیلی کی جدوجہد طاغوتی قوتوں اور ظالمانہ نظاموں سے نجات حاصل کرنے کے لئے کی جاتی ہے. یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں تمام انبیاءؑ کا ذکر طاغوتی قوتوں سے مقابلے کی صورت میں کیا گیا ہے۔ جیسے کہ ابراہیمؑ اور نمرود کا ذکر، موسیٰؑ و فرعون کا قصہ یا خود رسول اللہ ﷺ اور ابو جہل کا ذکر۔اس لئے سماجی تبدیلی کا مقصد صرف نعرے، ریلیاں، دھرنے نہیں بلکہ انسانیت دشمن قوتوں کے خلاف ایک شعوری جدوجہد کا نام ہے جس کے لئے چند بنیادی اور اساسی امور کا تعین ضروری ہے جس کا مختصر جائزہ درجہ ذیل ہے۔

(1): سماجی تبدیلی کے خاکے کا تعین

قرآنی نظام فکر نے مثبت سماجی تبدیلی کے لئے سب سے پہلے انسانی حیات کے ہر پہلو کو محیط اصولوں پر مبنی ایک جامع فکر دیا جو حقوق اللہ

اور حقوق العباد کے تمام کیفیات میں راہنمائی کا ضامن تھا۔ قرآن حکیم نے اس جامع رہنمائے حیات کو ایمان کا نام دیا، جس کا سر نامہ کلمہ طیبہ ہے۔[11] چنانچہ قریش کے سرداروں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ آپ کا بنیادی منشاء کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

كَلِمَةٌ وَاحِدَةٌ تعطونها تَمْلِكُونَ بِهَا الْعَرَبَ وَتَدِينُ لَكُمْ بِهَا الْعَجَمُ ".تَقُولُونَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَتَخْلَعُونَ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ دونه [12]

''میں تم سے صرف ایک بات کا مطالبہ کرتا ہوں اگر تم اسے مان لو تو تم سارے عرب کے مالک بن جاؤ گے اور عجم تمہارے مطیع اور فرمان بردار ہو جائیں گے، تم سب صرف یہ کہہ دو کہ اللہ کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں اور اس کے سوا تمام معبودوں کو چھوڑ دو''۔

گویا کہ توحید کا یہ کلمہ بظاہر ایک اعتقادی کلمہ ہے، مگر اس کے اندر ہر قسم کی صالح انسانی فتوحات کا راز چھپا ہوا ہے، کیونکہ یہ انسانی فطرت کی آواز اور زندگی کے تمام شعبوں میں تبدیلی کا عنوان ہے۔[13]

(2): تبدیلی کی قیادت کرنے والی تنظیم کی ضرورت

سماجی تبدیلی کے لئے نظریہ سازی کے بعد پہلا عملی مرحلہ تنظیم سازی کا ہے، کیونکہ کوئی بھی فکر کتنی ہی بلند اور اعلیٰ کیوں نہ ہو، تنظیم اور حزب کے بغیر چند الفاظ کے بغیر کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ اس لئے تمام نبیاءؑ اور مصلحین نے اپنے معاشروں کو زوال سے نکالنے اور وقت کے طاغوتی نظاموں سے نجات دلانے کے لئے باقاعدہ ایک تنظیمی عمل اور اجتماعی جدوجہد کا راستہ اختیار کیا۔ اس لئے تاریخ ایک ایسی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے جس میں تن تنہا کوئی رہنما منظم جماعت یا تنظیم کے بغیر سماج میں اپنے نظریے کو غالب کرنے میں کامیاب ہو گیا ہو۔[14]

اسی اہمیت کے پیش نظر قرآن حکیم نے تنظیم سازی کی ضرورت و اہمیت پر مکہ کے بالکل ابتدائی دور سے ہی بہت زیادہ زور دیا ہے۔ چنانچہ سورۃ العلق کی آیت سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ (ہم اپنے سپاہی پیادوں کو بلاتے ہیں)[15] سے ایک جانثار جماعت کے قیام پر روشنی پڑتی ہے، اسی طرح سورۃ العصر میں وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ اور سورۃ مزمل کے ابتدائی آیات سے بھی جماعت کی تیاری کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔[16]

(3): مناسب ماحول کا تجزیاتی مطالعہ

سماجی تبدیلی، محض نصب العین کی سچائی یا انقلابی جماعت کی جدوجہد پر ہی منحصر نہیں ہوتی بلکہ تبدیلی پیدا کرنے والی جماعت اور تبدیلی کے مستحق سماج کی صلاحیت پر بھی موقوف ہوتی ہے۔ اس لئے بیمار سماج کو صحت یاب بنانے کے لئے ایسے افراد اور ماحول کو ہمنوا بنانا ناگزیر ہے جس میں راست گوئی، بہادری، صبر، ایثار اور عقل مندی جیسے اعلیٰ اوصاف موجود ہوں۔ تبدیلی کے بعد بقایا سماج کو آسانی کے ساتھ تربیتی عمل کے ذریعے سے فرسودہ نظام کے اثرات سے پاک کیا جا سکتا ہے۔[17]

قرآن حکیم میں بنی اسرائیل کی مثال ہمارے سامنے ہے، جو حقیقی تبدیلی کی جدوجہد کرنے کی بجائے اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے

حیلے بہانوں سے کام لیتے تھے اور ہر وقت اپنے انبیاءؑ کے ساتھ لڑتے جھگڑتے تھے جس کی وجہ سے عذاب الٰہی کے مستحق ہوئے۔اس کے برعکس اگر تبدیلی کے لئے مناسب ماحول اور باصلاحیت جماعت میسر آجائے تو بہت جلد اس کے دوررس نتائج سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کا طرز عمل ہمارے سامنے ہے، کہ انہوں نے پہلے مرحلے میں مکہ میں کام شروع کیا لیکن وہاں کا ماحول اور انسانی اجتماعیت جب انقلاب کے لئے مناسب ثابت نہ ہوئی تو انہوں نے پہلے حبشہ اور پھر مدینہ ہجرت کر کے بہت جلد کامیابی حاصل کی۔اسی طرح تمام انبیاءؑ کی ہجرت کو مناسب ماحول کی تلاش کے تناظر میں مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً ابراہیمؑ نے نمرودی نظام کے مرکز سے فلسطین اور موسیٰؑ نے فرعونی نظام کے مرکز سے صحرائے سینا ہجرت فرمائی۔[18]

سماجی تبدیلی اور دین حنیفیت

انسانی تاریخ میں سماجی تبدیلی کی جدوجہد انبیاءؑ کی مرہون منت ہے،انسانیت کی معلوم تاریخ میں سماجی تبدیلی کی جدوجہد سب سے پہلے حضرت ابراہیمؑ نے شروع کی۔ آپؑ نے انسانیت کے انفرادی اور اجتماعی زندگی میں تبدیلی کے لئے جس اعلیٰ نظریے کو اپنی جدوجہد کا محور بنایا قرآن حکیم نے اس کو دین حنیفی کا نام دیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَانَصْرَانِيًّا وَلَكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ [آل عمران: 67]

''ابراہیم نہ تو یہودی تھے اور نہ عیسائی بلکہ سب سے بے تعلق ہو کر ایک اللہ کے ہو رہے تھے، اور اسی کے فرمانبردار تھے، اور نہ مشرکین میں سے تھے''۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا: ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا [النحل:123]

''پھر ہم نے حکم بھیجا تجھ کو کہ دین ابراہیمی پر چلو جو حق کی طرف مائل تھا''۔

علامہ سید طنطاویؒ لکھتے ہیں:

والحنيف في الأصل المائل عن كل دين باطل إلى الدين الحق ووصف به إبراهيم عليه السلام لميله عن الأديان الباطلة التي كانت موجودة في عهده إلى الدين الحق الذي أوحى الله به إليه-[19]

''حنیف حقیقت میں تمام باطل ادیان (نظریات) سے دین حق کی طرف مائل ہونے کو کہتے ہیں، اور اس صفت سے حضرت ابراہیمؑ اس لئے موصوف ہیں کہ انہوں نے اپنے زمانے کے موجود تمام باطل ادیان سے اعراض کیا اور دین حق کو اختیار کیا جس کو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی اس کو بتادیا تھا''۔

اس لئے قرآن حکیم نے حضرت ابراہیمؑ کو امام نوع انسانی قرار دیا: إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا [البقرة:124]

''میں تجھ کو سب لوگوں کا پیشوا بناؤں گا''۔

امامت کا مقصد یہ ہے کہ ابراہیمؑ جس طرح پوری انسانیت کے لئے انفرادی عادات اور اخلاق میں پیشوا ہیں، اسی طرح اجتماعی جدوجہد

اور معاملات میں بھی پیشوا ہیں۔[20]

آپؑ دنیا میں وہ پہلے شخصیت ہیں جنہوں نے باقاعدہ ایک نظام حکومت کے خلاف تبدیلی کی جدوجہد فرمائی اور نمرودی نظام زندگی سے انسانیت کو نجات دلائی۔ کیونکہ نمرودی نظام انسانی تاریخ کی اولین بادشاہت ہے، جس میں باقاعدہ ایک نظام کے تحت انسانی اجتماعیت جمع ہوئی تھی۔[21] اسی طرح مجاہدؒ سے روایت ہے کہ نمرود کی حکومت مشرق اور مغرب تک پھیلی ہوئی تھی۔[22]

ابراہیمؑ سے پہلے انبیاء نوحؑ، صالحؑ اور ہودؑ نے اگرچہ جامع تبدیلی کی جدوجہد فرمائی، لیکن یہ جدوجہد باقاعدہ ایک بادشاہت یا نظام کے خلاف نہیں تھی، بلکہ مخصوص قومی یا قبائلی اجتماع کے خلاف تھی، کیونکہ اس زمانے میں لوگوں کا اجتماعی شعور قبائلیت تک محدود تھا۔ اس لئے ان انبیاءؑ کی فکر بھی اسی دائرے میں کام کرتی رہی۔ اس کے برعکس ابراہیمؑ کے زمانے میں لوگوں میں اجتماعیت اختیار کرنے کی صلاحیت پیدا ہو چکی تھی اور سب نمرود کی بادشاہت پر متفق ہوئے تھے، اس لئے آپؑ نے انسانیت عامہ کو اپنی فکر کا محور بنایا، اور پوری انسانی سوسائٹی (إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا) کو مخاطب ہوئے۔[23]

دین حنیف کی حقیقت

دین حنیف کی حقیقت کو حضرت ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ نے اپنی اس دعا میں واضح کیا جو انہوں نے بیت اللہ کی تعمیر کے وقت مانگی تھی:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ [البقرة: 129]

"اے ہمارے رب ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیج، جو ان پر تیری آیتیں پڑھے انہیں شریعت کے احکامات سکھائے اور حکمت (سیاست) کی تعلیم دے اور انہیں پاک صاف کرے بے شک تو غالب اور حکمت والا ہے"۔

اس آیت میں دین کے جامع تصور حیات شریعت، طریقت اور سیاست پر روشنی پڑتی ہے۔[24] اس جامع پروگرام (شریعت، طریقت اور سیاست) کو ہم دین ابراہیمیؑ کے بعد میں آنے والے اولوالعزم انبیاءؑ اور ان کے جانشینوں کی حیاۃ طیبہ اور جدوجہد میں مطالعہ کر سکتے ہیں، کہ کس طرح انہوں نے دین کے ان تینوں بنیادی شعبوں میں مرکزیت اور وحدت پیدا کر کے تبدیلی کی جدوجہد فرمائی۔

ابراہیمی دعوت کا ہدف

حضرت ابراہیمؑ نے اپنی جدوجہد کا آغاز اپنے دور کے ایک استبدادی نظام حیات میں کامل تبدیلی سے کیا، کیونکہ رائج الوقت نمرودی نظام انسانیت کی مادی اور روحانی ترقی کی راہ میں رکاوٹ تھا اور معمولی اصلاحات کی بجائے کامل تبدیلی کا متقاضی تھا چنانچہ قرآن حکیم نے فرمایا:

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآءُ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّى تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ [الممتحنة: 4]

''بے شک تمہارے لئے ابراہیم اور ان کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے، جبکہ ان سب نے اپنی قوم سے برملا کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو ان سب سے بیزار ہیں، ہم تمہارے (فکر کے) منکر ہیں، ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے دشمنی اور بغض پیدا ہو گئی ہے جب تک تم ایک اللہ پر ایمان نہ لاؤ''۔

اس آیت میں ایک غیر فطری نظام حیات سے بیزاری کا اعلان اور جماعت کے ذریعے سے (وَالَّذِينَ مَعَهُ) تبدیلی کا پیغام ہے۔ اس جامع تبدیلی کو قرآن حکیم نے مزید یوں واضح کیا ہے کہ؛

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ [النحل: 36]

''اور ہم نے ہر امت میں رسول کو اس لئے بھیجا کہ وہ اللہ کی عبادت کرنے اور طاغوت سے بچنے کا حکم دے''۔

یعنی ابراہیمؑ کے انقلاب میں مادی اور روحانی دونوں پہلو شامل تھے۔ عبید اللہ سندھیؒ لکھتے ہیں کہ؛ حضرت ابراہیمؑ کی دعوت حنیفیت انسانیت کو دو قسم کی لعنتوں سے بچانا چاہتی تھی: مالی اجارہ داری (Capitalism) یعنی اجتماعی قوانین توڑ کر ملکی معیشت اور سیاست پر قبضہ کرنا اور اپنے خاندان یا اپنی جماعت کے مفادات کو ترقی دینے والے قوانین نافذ کرنا۔ اور علمی اجارہ داری (Brahmanism) یعنی علمی طبقے کا خود علم کا اجارہ دار بن جانا اور عوام کو علم عامہ سے محروم رکھ کر جہالت میں مبتلا کر دینا۔[25]

امام ابن تیمیہؒ قرآن حکیم میں اولو الامر (سورۃ النساء: 59) سے یہی دو طبقے مراد لیتے ہیں، لکھتے ہیں:

وأولو الأمر صنفان : الأمراء والعلماء، وهم الذين إذا صلحوا صلح الناس[26]

''اور اولو الامر سے دو قسم کے لوگ مراد ہیں؛ حکام اور علماء، جب وہ راہ راست پر ہوں گے تو تمام لوگ راہ راست پر ہوں گے''۔

اس کے برعکس اگر یہ طبقے ہوس پرست ہوں تو پورا معاشرہ گمراہی اور فساد میں مبتلا ہو کر رہے گا۔ حضرت ابراہیمؑ کی جدوجہد اس معنوں میں کامل تھی کہ اس نے وقت کے روحانی اور مادی اجارہ دار دونوں طبقوں سے بیزاری اور آزادی کا اعلان کیا۔ علمی طبقہ خود اس کے خاندان کے افراد آزر کی صورت میں (الانعام: 74) اور مالی طبقہ نمرودی نظام کی صورت میں موجود تھا۔

دین حنیفی میں عدم تشدد اور جنگی حکمت عملی

دنیا کے کسی بھی انقلابی فکر میں مزاحم قوتوں کے پیش نظر ہمہ جہتی (Multi dimensional) حکمت عملی ہوتی ہے اور وقت کے معروضی تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے عدم تشدد یا جنگی حکمت عملی اختیار کرنے کا فیصلہ ہوتا ہے۔ اس لئے دین ابراہیمی نے تبدیلی کے پہلے مرحلے تنظیم سازی میں عدم تشدد کی پالیسی پر کاربند رہنے اور صبر واستقامت سے کام لینے کا حکم دیا ہے۔[27] رسول اللہ ﷺ کی مکی زندگی اس پالیسی کا عملی نمونہ ہے۔ تاہم یہ پالیسی دینی انقلاب کا دائمی جز نہیں، وہ حالات اور زمانے کی رعایت کو ملحوظ رکھتے ہوئے کسی بھی وقت اس حکمت عملی کو ترک کر سکتا ہے۔ آپ ﷺ کی مدنی زندگی سے اس کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔[28]

یہی حکمت عملی دین اسلام کے انقلابی دین ہونے کا ناقابل تردید ثبوت ہے، کیونکہ انسانیت فقط عدم تشدد کی پالیسی اور مصالحت سے

کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔[29]

سماجی تبدیلی کے لئے فروغ دعوت اور مراکز کی اہمیت

انقلابی فکر کو فروغ دعوت اور مضبوط مراکز کے بغیر عملی جامہ نہیں پہنایا جا سکتا، اس لئے حضرت ابراہیمؑ نے اس فکر پر تبدیلی کی جدوجہد کرنے اور آنے والی نسلوں میں منتقل کرنے کے لئے باقاعدہ وصیت فرمائی، ارشاد ہے:

وَوَصَّى بِهَا إِبْرَاهِيمُ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ يَابَنِيَّ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَى لَكُمُ الدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ [البقرة: 132]

''اور اس کی وصیت ابراہیم اور یعقوب نے اپنی اولاد کو کی، کہ ہمارے بچو، اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اس دین کو پسند کیا ہے، پس ضرور مسلمان ہی مرنا ہے''۔

اس عظیم فکر کی اشاعت کے لئے حضرت ابراہیمؑ نے دو اہم انقلابی مراکز[30] قائم کیے، ایک مرکز بیت اللہ الحرام میں جہاں اس نے اپنے بیٹے اسماعیلؑ کو بسایا جبکہ دوسرا مرکز کنعان (موجودہ فلسطین)، جہاں حضرت اسحاقؑ کو بسایا۔[31] ان مراکز کے خدمات کا جائزہ ذیل ہے؛

فلسطینی مرکز سے تبدیلی کی جدوجہد

حکمت الٰہی کے مطابق پہلے کنعان کی سرزمین سے اس فکر کی اشاعت شروع ہوئی چنانچہ اسحاقؑ، یعقوبؑ اور ان کی اولاد بنی اسرائیل نے اس عَلم کو بلند کیا، جن میں سیدنا یوسفؑ، سیدنا موسیٰؑ، سیدنا عیسیٰؑ جیسے الوالعزم داعی پیدا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو تورات اور انجیل جیسے بین الاقوامی قوانین عطا کیے۔[32]

قرآن حکیم میں حضرت یوسفؑ اور حضرت موسیٰؑ کے قصے کو قدرے تفصیلاً اس لئے بیان کیا ہے کہ ان دو عظیم ہستیوں نے ایک سماجی انقلاب کے ذریعے ظلم کے نظام کا خاتمہ کیا اور دین حنیفیت کے آفاقی اصولوں پر تبدیلی پیدا کی، جس کی قدرے تفصیل درجہ ذیل ہے:

(1): یوسفی انقلاب کی تفصیل

فلسطینی مرکز سے حضرت یوسفؑ تاریخ کے وہ مایہ ناز شخصیت ہیں جنھوں نے سب سے پہلے مصر میں فرعون کی استبدادی حکومت کا خاتمہ کر کے دین حنیفیت کو ایک سٹیٹ کا بنیادی قانون قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپؑ کی اس انقلابی کاوش کو قرآن حکیم میں ایک مکمل سورۃ، یوسف کی صورت میں نازل کر کے ''احسن القصص'' کا نام دیا۔ اس لئے کہ اس ایک واقعہ میں سماجی تبدیلی کی جس قدر حکمتیں، عبرتیں، اور مواعظ و نصائح موجود ہیں دوسرے کسی واقعہ میں یکجا میسر نہیں۔ اس سورۃ میں جن اہم نکات پر روشنی ڈالی گئی ہے وہ یہ ہیں؛

تبدیلی کا بنیادی نظریہ دین حنیفیت ہوگی

قرآن حکیم نے واضح کیا ہے کہ حضرت یوسفؑ کی کاوش دراصل حضرت ابراہیمؑ کی تحریک کی ایک کڑی ہے۔ارشاد ہے:

وَكَذَلِكَ يَجْتَبِيكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَعَلَى آلِ يَعْقُوبَ كَمَا أَتَمَّهَا عَلَى أَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ إِنَّ رَبَّكَ رَبَّكَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ [يوسف: 6]

''اور اس طرح تیرا پروردگار تجھ کو برگزیدہ کرے گا اور باتوں کا حقیقی مرکزی مقصد بتانا سکھائے گا اور اپنی نعمت کو تجھ پر اور اولاد یعقوب پر پورا کرے گا، جس طرح پہلے سے تیرے اجداد پر اس نعمت کو پورا کیا، یعنی ابراہیم، اور اسحاق پر، بے شک تیرا پرودگار جاننے والا اور حکمت والا ہے''۔

سماجی تبدیلی کے لئے علم وحکمت کی ضرورت

سماج میں تبدیلی چونکہ قوم کے ذہنی، اخلاقی، سیاسی، معاشی اور معاشرتی اقدار کو متاثر کرتی ہے، اس لئے اس کے لئے بہت سمجھ بوجھ اور علم و حکمت کی ضرورت ہوتی ہے۔اس سلسلے میں معمولی غفلت اور جذباتیت قوم کے مستقبل کو تاریک بنا سکتی ہے۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ [يوسف: 22]

''اور جب وہ سن رشد کو پہنچ گیا تو ہم نے اس کو فیصلہ کی قوت اور علم عطا کیا، اور ہم اسی طرح نیکوکاروں کو جزادیا کرتے ہیں''۔

سماجی تبدیلی کے لئے حالات کا تجزیاتی مطالعہ

حضرت یوسفؑ نے انقلابی جدوجہد شروع کرنے سے پہلے حالات کا بغور تجزیاتی مطالعہ کیا۔آپؑ کے اس مطالعے کے دو ادوار ہیں۔ ایک دور مصری دربار کا اور دوسرا دور جیل خانے کا۔مولانا ابولکلام آزاد لکھتے ہیں:

"حضرت یوسف کے مصری زندگی کے دو انقلاب انگیز نقطے تھے، ایک جب وہ غلام ہو کر بکے اور پھر عزیز کی نظروں میں ایسے معزز ہوئے کہ اس کے تمام کاموں کے مختار ہو گئے دوسرا یہ کہ قید خانے سے نکلے اور نکلتے ہی وہاں پہنچ گئے، کہ حکمرانی کی مسند جلال پر جلوہ آرا نظر آئے، پس جب پہلے انقلاب تک سر گزشت پہنچی تھی، تو آیت (21) میں توجہ دلائی کہ وَكَذَلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ اور اب جب دوسرا انقلاب پیش آیا تو اسی طرح آیت (56) میں فرمایا وَكَذَلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ اور ہم نے یوسف کو زمین میں جگہ دی۔[33]

جیل جا کر حضرت یوسفؑ نے وہاں کے غریب، مظلوم اور جرائم پیشہ طبقات کا مطالعہ کیا اور مختلف جرائم کے اسباب اور واقعات سے مصری حکومت کے اندر موجود خرابیوں کا تجزیہ کیا اور ان کے ممکنہ حل کے بارے میں سوچا، یوں انہوں نے جیل کے اندر سے تبدیلی کی حکمت عملی کو حتمی شکل دیا۔

جماعت کے ذریعے سے سماجی تبدیلی کی حکمت عملی

حضرت یوسفؑ نے دین حنیفیت کے بنیادی اصول، جماعت کے ذریعے سے سماجی تبدیلی کی حکمت عملی کے لئے جیل خانے کے اندر قیدیوں کا انتخاب کیا کیونکہ وہ سماج کے پسے ہوئے طبقات تھے اور بآسانی تبدیلی کی دعوت قبول کرنے لگے۔ انہوں نے جیل کے اندر نو دس سال کے عرصے میں تمام قیدیوں کا اعتماد حاصل کیا، حتیٰ کہ جیل کا داروغہ بھی آپ کا گرویدہ بن گیا اور آپ کا پیرو بن کر جیل کے تمام اندرونی معاملات آپ کے سپرد کئے۔[34]

حضرت موسیٰؑ کا مصر میں تبدیلی کی جدوجہد

حضرت یوسفؑ کی وفات کے کچھ عرصہ بعد فرعونی نظام کے پرانے کارندے دوبارہ مصر پر غالب ہوئے، جن سے نجات دلانے کے لئے حضرت موسیٰؑ کی بعثت ہوئی۔ آپؑ کی پیدائش ایسے وقت میں ہوئی جبکہ فرعون اسرائیلی لڑکوں کے قتل کا حکم دے چکا تھا۔ کیونکہ اس نے خواب دیکھا تھا کہ بنی اسرائیل کا ایک لڑکا مصر کے فرعونی حکومت کے خاتمے کا سبب بنے گا۔[35]

اس پالیسی کے پیش نظر انہوں نے بنی اسرائیل کو تقسیم کر کے مالدار طبقوں کو اپنے ساتھ ملایا۔(القصص:76) جبکہ باقی سوسائٹی کو غربت، جاہلیت، فرقہ واریت، فکری، اخلاقی اور معاشرتی بیماریوں میں مبتلا کر کے اپنا تحت مشق بنایا۔(القصص:4)

چونکہ اللہ تعالیٰ کی فطرت انسانیت کی ترقی چاہتی تھی۔ اس لئے موسیٰؑ کو حکم ہوا کہ وہ فرعون کی دربار میں جا کر حریت اور آزادی کا اعلان کر کے کامل تبدیلی کی جدوجہد شروع کرے۔[36] آپؑ کی اس جدوجہد سے جو نتائج اخذ کیے جا سکتے ہیں وہ درجہ ذیل ہیں۔

☆ حضرت موسیٰؑ کی مصر میں انقلابی جدوجہد دین حنیفی کی ایک کڑی تھی۔[37]

☆ حضرت موسیٰؑ کو سماجی تبدیلی کی باقاعدہ تربیت اور علم و حکمت دی گئی۔[38]

☆ حضرت موسیٰؑ کے مطالعے کے بھی دو ادوار ہیں۔ پہلے دور میں آپؑ نے فرعونی دربار کے اندر حکمران طبقے کا مطالعہ کیا، اور ان کی عیاشانہ طرز زندگی سے آگاہی حاصل کی۔ یہاں سے نکل کر آپؑ نے ہجرت فرمائی اور عوام الناس کا مطالعہ کیا اور ان کے طرز زندگی اور محرومیت سے خبر گیری حاصل کی۔ اس طرح آپ کے ذہن میں سماجی تبدیلی کا ایک احساس پیدا ہوا جس کے خاکے اور حکمت عملی پر تورات کی تعلیمات نے روشنی ڈالی۔[39]

☆ دین حنیفیت میں مفاہمتی نظریے کی اجازت نہیں۔ اس ذہنی میکانیت کا مقصد یہ ہے کہ مظلوم قوم کے چند ایک مخصوص افراد یا طبقات کو حکومت کا حصہ دار بنایا جائے، اور بنیادی سسٹم میں تبدیلی کی بجائے کچھ معمولی اصلاحات بھی حکومتی ڈھانچے میں ظاہر کیے جائیں۔ اس طرح اس عمل کو انقلاب کا نام دے کر مجموعی طور پر قوم کو پرانی دلدل میں پھنسا یا رکھا جائے۔ فرعون نے قارون کی طرح موسیٰؑ کو بھی اس جال میں پھنسانے کی کوشش کی اور اس کو اپنی بچپن کی پیار اور تربیت کا احسان جتایا اور ایک قبطی کے مارنے کا طعنہ دے کر دھمکی آمیز پیغام بھی سنایا، تاکہ وہ کچھ خوف و رجاء کی کیفیت کا شکار ہو کر اپنے محفوظ مستقبل کو

خاطر میں لائے اور انقلابی جدوجہد سے باز آئے۔ موسیٰؑ نے فرعون کی اس پیشکش کو یہ کہہ کر ٹھکرایا کہ مجھ ایک فرد پر احسان کے بدلے پوری قوم کو غلام بنائے رکھنا عقل سلیم کا تقاضا نہیں اور اپنی جدوجہد کو جاری رکھنے کا عزم ظاہر کیا۔[40]

حضرت موسیٰؑ کے بعد دوسرے بہت سے انبیاءؑ کی بعثت ہوئی اور دین حنیفی کو دسعت دینے کی جدوجہد فرمائی، جن میں سیدنا داوٗدؑ، سیدنا سلیمانؑ، سیدنا عیسیٰؑ وغیرہ شامل ہیں۔ لیکن بد قسمتی سے بنی اسرائیل قبائلی اندازِ فکر سے اوپر نہ اٹھ سکے اور اس انسانیت گیر تحریک کی جتنی اشاعت ہونی چاہیے تھی نہ کر سکی۔ اور جب ان میں اس فکر کو آگے بڑھانے کی مزید صلاحیت ظاہر نہ ہوئی اور خود فرعونی اوصاف کا مظہر بنے تو حکمت الٰہی نے ابراہیمی نسل کی دوسری شاخ بنی اسماعیلؑ سے یہ خدمت لینی چاہی۔ ان کی راہنمائی کی خاطر ان ہی میں سے ایک بہترین انسان کو منتخب کر کے ہدایت کا سرچشمہ بنایا۔ دنیا اس انقلابی لیڈر اور نبی معظم کو محمد ﷺ کے نام سے جانتی ہے۔ دین حنفیت کے نظریہ حیات کی تکمیل کے لئے اس کو جو انقلابی لائحہ عمل دیا گیا وہ قرآن حکیم ہے۔[41]

دین حنیفی اور حجازی انقلاب

رسول اللہ ﷺ کی بعثت تاریخِ انسانی کا ایک بہت بڑا واقعہ تھا، جس کا انتظار دنیا ایک زمانے سے کر رہی تھی، اہل کتاب کو معلوم تھا کہ ان کے جدامجد ابراہیمؑ کے فرزند حضرت اسماعیلؑ کے اولاد قریش میں آنے والا پیغمبر دنیا کے نقشے کو تبدیل کرنے والا نبی ہو گا، جو عرب اور عجم پر حکومت کرے گا۔[42] اس لئے آپ ﷺ زمان ومکان سے بالاتر ایک بین الاقوامی'' پیغمبر انقلاب '' ہیں۔[43] آپ ﷺ نے خود واضح کیا کہ میری بعثت عرب وعجم سب کے لئے ہے۔[44] اس لئے آپ ﷺ نے قریش پر واضح کیا کہ یہ انقلاب بین الاقوامی ہے اور عرب وہ عجم ان کے مطیع ہونے والے ہیں۔[45]

بعثت نبوی ﷺ کے دوران چونکہ بین الاقوامی سطح پر قیصر روم اور کسریٰ ایران کا غلبہ تھا۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے ابتدائی مکی دور میں اپنی جماعت پر واضح کیا کہ یہ تمام طاغوتی قوتیں ان کے ہاتھوں مغلوب ہونے والے ہیں اور ان کے خزانے انسانیت کی خدمت پر خرچ کیے جائیں گے۔[46] چونکہ آپؐ کی بعثت ملت ابراہیمی کا آخری اور تکمیلی مرحلہ تھا، اس لئے آپؐ خاتم الانبیاء ہیں (الاحزاب: 40)۔ آپؐ کی جدوجہد کے تمام تر خصوصیات دین ابراہیمی کے دوسرے انبیاءؑ کے مشابہ ہیں (النحل: 123)۔ آپؐ کی دعوت میں وہی نوید انقلاب، مصائب ومشکلات، علم وحکمت، اخلاقیات، مطالعہ احوال، ہجرت، جماعت سازی وغیرہ موجود ہیں، جو دوسرے انبیاءؑ کے ضمن میں پہلے بیان ہوئے ہیں۔ یوں رسول اللہ ﷺ نے اپنی جماعت صحابہ کی مدد سے پہلے ابو جہل کے طاغوتی نظام کے خلاف قومی سطح کی تبدیلی پیدا کی اور بعد میں بین الاقوامی سطح پر مثبت تبدیلی پیدا کرنے کا آغاز فرمایا۔

انقلاب مکہ اور اقوام عالم کی بیداری

رسول اللہ ﷺ کی قومی اور بین الاقوامی انقلاب نے اقوام عالم میں بیداری پیدا کر کے ایک نئی دنیا بسانے کا شعور اجاگر کیا، کیونکہ مفتوح قومیں فاتح قوم کا تہذیب وتمدن بڑی خوشی سے قبول کر لیتی ہیں۔[47] آپ ﷺ کی وفات کے بعد خلفاء راشدین نے اس

انقلاب کو آگے بڑھایا اور گراں قدر خدمات انجام دیں۔ ان کے بعد عربوں میں بنوامیہ اور بنوعباس اس انقلاب کے نقیب بنے اور عجمی اقوام میں انقلابی اصلاحات کیے،ان کے بعد عجمی اقوام میں ایرانیوں، فاطمیوں اور ترکوں وغیرہ نے اس نظریے کو اپنایا اور یورپی، چینی، افریقی اور ہندوستانی اقوام میں کامل تبدیلی کا احساس اجاگر کیا۔اس لئے دنیا اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتی کہ مغرب کے نشاۃ ثانیہ کا سہرا بھی دین ابراہیمیؑ کے سر ہے۔ اگرچہ انہوں نے اس دین کو کماحقہ قبول نہیں کیا لیکن تبدیلی کا شعور ان میں مسلم یونیورسٹیوں میں پڑھ کر ہی پیدا ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ مسلم مفکرین کی کتابیں آج تک مغربی تعلیمی اداروں میں پڑھائی جاتی ہیں۔یوں دنیا دین حنیفی کے ذریعے ایک تاریخی تسلسل کے ساتھ سماجی تبدیلی کے ثمرات سے مستفید ہوتی رہی ہے۔

خلاصۃالبحث اور تجاویز

آج کے دور میں مسلم اقوام بین الاقوامی طاغوتی قوتوں کے نرغے میں ہیں۔ان کی سیاست اور معیشت پر انہی قوتوں کا غلبہ ہے، لیکن الحمداللہ کہ ان کا عظیم فکر دین حنیفیت آج بھی پوری جوبن کے ساتھ زندہ ہے۔اس لئے وقت کا تقاضا ہے کہ وہ اس فکر پر اسی طریق پر عمل کرے جس طرح اصحابِ رسول ﷺ نے کیا تھا، چنانچہ امام مالک سے روایت ہے: لا يَصلُح آخر هذه الأمة إلا بما صلُح به أولها[48]۔

''اس امت کے آخر کی اصلاح نہیں ہوسکتی مگر اس طریق سے جس نے امت کے اول دور کی اصلاح کی''۔یعنی جب کسی قوم کے اجتماعی نظام میں خرابی بہت بڑھ جائے تو جس طرح اس امت کے دور اول کی اصلاح دین حنیفیت کے جامع تبدیلی سے ممکن ہوئی تھی، اسی طرح رسول اللہ ﷺ اور خلفاء راشدین کے انقلابی طریق پر امت کے آخری دور کی بھی اصلاح ہو گی۔

حواشی اور حوالہ جات

1: عبدالرشید شیخ، پروفیسر، مضمون سماجی تبدیلی مگر کیسے، ماہنامہ منہاج القرآن لاہور مئی 2013، ص48۔
Prof. Abdurrasheed, Samaji Tabdili Magr Kaisy, Mahnama Minhaj ul Quran Lahore, May 2013, p.48.

2: www.britanica.com/EBcheccked/W. fourm/topic/550924/social-change

3: احمد حسین، معجم الوسیط، مجمع الشروق الدولیہ بیروت لبنان، 2004، ص1454۔
Ahmad Husain, Mu'jam ul wasīt, Majma' ul shorūq al doawlia Beruit, Lebnan, 2004, p.1454.

4: ابن اسحاق، محمد بن اسحاق (151ھ)، کتاب السیر والمغازی، تحقیق سہیل زکار، بیروت لبنان، 1978ء، ج1، ص153۔
Ibne Isḥaq, Muhammad Bin Isḥaq, Kitāb ul Siyar wal Maghazi, Beruit, Lebnan, 1978, vol.1, p.153.

5 : دہلوی، شاہ ولی اللہؒ، احمد بن عبد الرحیم، الخیر الکثیر، مدینہ پریس بجنور انڈیا، 1352ھ، ص107۔

Dihlavi, Shah Waliullah, Ahmad bin Abdurrahim, Al-Khair ul Kasīr, Madīna Press Bajnoor (India), p.107.

6 : سندھی، عبید اللہ، شعور اور آگہی، مرتب مطلوب علی زیدی، علی فرید پرنٹرز لاہور 2009، ص51۔

Sindhi, Ubaid Ullah, Shaoūr Awr Agahi, Matloob Ali Zaidi, Ali Farid Printers Lahore 2009, P. 51.

7 : پالن پوری، سعید احمد، رحمۃ اللہ الواسعہ فی شرح حجۃ اللہ البالغہ، زمزم پبلشر کراچی، 1425ھ، ج5، ص375۔

Palen Pūri, Saeed Ahmad, Raḥmat Ullah all Wāsia fi Sharḥe Hujjat Ullah al Baligha, Zam Zam publication Karachi, vol.5, p,375.

8 : زرکشی، بدر الدین محمد بن عبد اللہ (794ھ)، البحر المحیط فی اصول الفقہ، دار الکتب بیروت لبنان، 2000ء، ج1، ص465۔

Zarkashi, Badr ud Dīn Muhammad bin Abdullah, Al baḥr ul Moḥīt fi Usūl il Fiqah, Dār ul Kutūb Beruit, Lebnan, 2000, Vol.1, p. 465.

9 : ابن کثیر، ابولفداء اسماعیل بن عمرؒ، (م774ء) البدایہ والنہایہ، مکتبہ المعارف بیروت، (ط،ن)، ج7، ص39۔

Ibne Kasīr, Abul Fida Isma'eel Bin Umar , Al bedāya wa Nehāya, Maktaba Al-M'aarif Beruit, Lebnan, Vol.7, p.39.

10 : دہلوی، شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغۃ، قدیمی کتب خانہ کراچی، (ط،ن)، باب حقیقۃ النبوۃ، ج1، ص195۔

Dihlavi, Shah Wali Ullah, Ḥujjat Ullah Al Baligha, Qadīmi Kutub Khāna, Karachi, Vol.1, p. 195.

11 : سعید الرحمن، پروفیسر، زکریا یونیورسٹی ملتان، سماجی تبدیلی کی حکمت عملی، شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن ملتان، سلسلہ مطبوعات 59، ص5۔

Prof. Saeed Ur Raḥman, Zakaria University Multan, Samāji Tabdīli ki Hikmat Amali, Shah Waliullah Media Foundation Multan, p.5

12 : البدایہ والنہایہ، باب ہجرۃ الحبشہ، ج3، ص152۔

Albedāya wa Nehāya, vol.3, p. 152.

13 : وحید الدین خان، مولانا، پیغمبر انقلاب، مکتبہ الرسالہ نئی دہلی، 1996ء، ص125۔

Waheed ud Dīn Khan, Mūlāna, Pia'mbar Inqelāb, Maktaba al Risāla New Dehli, 1996, p.125.

14 : سندھی عبید اللہؒ، مولانا، قرآنی اصول انقلاب، سندھ ساگر اکیڈمی، 1997ء، ص13۔

Sindi, Ubaid Ullah, Mūlana, Quʿrani Usūle Inqelāb, Sindh Sager Academy, 1997, P. 13.

15 : عثمانی، شبیر احمد، تفسیر عثمانی، ترجمہ شیخ الہند، پاک کمپنی لاہور 2005ء، سورۃ العلق آیت 18، ص676۔

Usmāni Shabīr Ahmad, Tafsīr Usmāni, translation from Shekh ul Hind, Pak company Lahore,2005, Surat al ʿAlaq. 18, p.676.

16 : سندھی عبید اللہؒ، مولانا، قرآنی شعور انقلاب، علی فرید پرنٹرز لاہور 2009، ص587،588۔

Sindhi, Ubaid Ullah, Mūlana, Qur'ani Shaoūre Inqelāb, Ali Farid Printers, Lahore, 2009, Pp.587- 588.

17 : سماجی تبدیلی کی حکمت عملی، ص4۔

Samāji Tabdīli ki Ḥikmat Amali, p. 4.

18 : سیوہاروی، حفظ الرحمن، مولانا، قصص القرآن، قدیمی کتب خانہ کراچی 1987ء، ج1، ص475، 210۔

Sayohārvi, Hifz Ur Reḥmān, Mūlāna, Qassas ul Qur'an, Qadīmi Kutub Khāna Karachi, 1987, vol.1, pp.47, 210.

19 : طنطاوی، محمد سید، التفسیر الوسیط للقرآن الکریم، دار نہضہ مصر 1997ء، ج1، ص282۔

Ṭanṭāvi, Muhammad Sayyed, Tafsīr ul Wasīt Lel Qur'an Al Karīm, Dār Nahza, Egypt, vol.1, p.282.

20 : قرطبیؒ، ابوعبداللہ محمد بن احمد القرطبیؒ، (671ھ)، تفسیر قرطبیؒ، دار عالم الکتاب ریاض، 2003ء، ج2، ص358۔

Qurtabi, Abu Abdullah Muhammad Bin Ahmad Al Qurtabi, Tafsīre Qurtabi, Dār Alam al Ketāb Riadh, 2003, vol.2, p.358.

21 : الطبری، محمد بن جریر طبری (310ھ)، تاریخ طبری، دار التراث بیروت، 1387ھ، ج1، ص233۔

Tibri, Muhammad Bin Jarīr Tibri, Tareekh Tabari, Dār al Turās Beruit, vol.1, p, 233.

22 : ابن کثیر، ابولفداء اسماعیل بن عمرؒ (774ء) تفسیر ابن کثیر، دار طیبہ 1999ء، ج1، ص686۔

Ibne Kasīr, Tafsīr ibne Kasīr, Dār ul Tayyeba 1999, vol.1, p. 686.

23 : قرآنی شعور انقلاب، ص689۔

Qur'ani Shaoūre Inqelāb, p.689.

24 : الیاس محمد دہلویؒ، مولانا، شریعت، طریقت اور سیاست، شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن ملتان، (ط،ن) ص2تا10۔

Ilyās Muhammad Dehlavi, Mūlana, Shari'at, Tarīqat, and Siyāsat, Shah Waliullah Media Foundation Multan, pp.2-10.

25 : قرآنی شعور انقلاب، ص90۔

Qur'ani Shaoūre Inqelāb, p.90.

26 : ابن تیمیہ، تقی الدین احمد بن عبدالحلیمؒ، (728ھ) السیاسۃ الشرعیہ، وزارۃ الاوقاف سعودیہ، 1418ھ، ص164۔

Ibne Taymia, Taqi ud Dīn Ahmad Bin Abdul Ḥaleem, Assisat ul Shari'a, Ministry of Awqaf Saudi Arabia, p.164.

27 : سورۃ العصر آیت 3 و سورۃ المزمل آیت 11 میں صبر کا مقصد یہی عدم تشدد کی حکمت عملی ہے۔

Surah al 'Aser 3 and Surah Muzmmel Aya 11 presented this nonviolence policy.

28 : سورۃ مزمل آیت 20 میں اس حکمت عملی کی طرف صرف اشارہ اور سورۃ الانفال اور توبہ اس حکمت کا عملی اظہار ہے۔

29 : قرآنی شعور انقلاب، ص625۔

Qur'ani Shaoūre Inqelāb, p.625.

30 :ان مراکز کی اہمیت دنیا اب تک مانتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ مغربی اقوام ان خطوں میں اپنی مفادات کے تحفظ کے لئے کسی قسم کی تحریک کو پنپنے نہیں دیتی اور کسی معمولی قومی تحریک کو بھی پوری طاقت کے ساتھ مٹانے کی کوشش کرتی ہیں۔ عراق، لیبیا، اور شام کی حالیہ جنگوں کے تانے بانے اسی اہمیت سے جڑی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔

31 :قرآنی اصول انقلاب، ص5۔

Qurʿani Shaoūre Inqelāb, p.5.

32 :ایضاً، ص6۔

Ibid, p.6.

33 :آزاد، ابولاکلام محی الدین، ترجمان القرآن، تایاسنز پرنٹرز لاہور2006ء۔ج2، ص235۔

Azād, Abul Kalām, Muhyudīn, Tarjumān ul Qur'an, Tāya sons printers Lahore 2006, vol.1, p.235.

34 :پیدائش، بائبل سوسائٹی لاہور، 2006ء، باب39، آیت23، ص41۔

Paidayish, Bible Society Lahore 2006, chapter 39, verse 23, p.41.

35 :تاریخ طبری، ج1، ص388۔

Tarīkhe Tibri, vol.1, p.388.

36 :سورۃ القصص:5و6، سورۃ النازعات آیت17، سورۃ ہود96، 97۔

Surah Al Qasass Aya 5,6, Surah Al Nazʿaat Aya 17, Surah Hūd Aya 96, 97.

37 :سورۃ البقرۃ:133. پیدائش، باب49۔

Surah Al Baqarah Aya 133, Paidayish, chapter 49.

38 :سورۃ القصص آیت14۔

Surah Al Qasass Aya 14.

39 :سورۃ القصص، سورۃ ہود اور سورۃ طٰہٰ میں اس حقیقت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

This facts are presented in Sura Al Qasass, Surah Hūd and in Sura Taha.

40 :تفسیر قرطبیؒ، ج13، ص90 ۔

Tafsīre Qurtabi,vol.13, p.90.

41 :قرآنی اصول انقلاب، ص6۔

Qurʿani Shaoūre Inqelāb, p 6.

42 :پیدائش، باب39، آیت23، ص41۔

Paidayish, chapter 39, verse 23, p.41.

43 : سورۃ سباء:28.، پیدائش ص87۔

Surah Saba Aya 28 and Paidayish, p.39.

44 :البزار، ابو بکر احمد بن عمر(292ھ)، البحر الزخار، مکتبہ العلوم مدینہ منورہ، 2009ء، ج11، ص166، حدیث نمبر4901۔

Al Bazzār, Ahmad Bin Umar 292H, Al Bakhr ru Zekhār, Maktaba al Uloom Madina Munawara,2009, vol.11, p.166. Hadith No.4901.

45 :البدایہ والنہایہ، باب ہجرۃ الحبشہ، ج3، ص152۔

Al bedāya wa Nehāya, vol.3, p.152.

46 :البخاری، محمد بن اسماعیل(256ھ)، صحیح بخاری، دار ابن کثیر بیروت، 1987ء، ج4، ص85، حدیث نمبر3120۔

Al Bukhāri, Muhammad Bin Ismaʿeel, Sahīḥ Bukhāri, Dār ibne Kasīr Beruit,1987, vol.4, p.85, Hadith No.3120.

47 :ابن خلدون، عبدالرحمن، (808ء)، مقدمہ ابن خلدون، نفیس اکیڈمی کراچی، 1986ء، ج1، ص379۔

Ibne Khaldūn, Abd ur Rahman, Muqadema ibne Khaldūn, Nafees Acadmy Karachi 1986, vol.1, p.379.

48 :الجوہری، عبدالرحمن بن عبداللہ المالکی(381ھ)، مسند الموطاء الجوہری، دار الغرب بیروت، 1997ء، ج1، ص584، نمبر783۔

Al Jūharī, Abdurrahman Bin Abdullah Almaleki, Musnad Al Moʾatta, Dār al Gharb, Beruit, 1997, vol.1. p.584, Hadith No 783.